

غلام احمد پرویز کا قرآن سے استدلال

(تعیینِ معنی کے ناظر میں تجزیاتی و تقدیدی مطالعہ)

حافظ محمد شہباز حسن *

یہ نعرہ کہ---- ”قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنی چاہیے“--- جملہ مذکورین حدیث کا متنقہ نعرہ ہے۔ اور جناب غلام احمد پرویز کے متعلق ان کے فکری ہم نواہی کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے ”تفسیر مطالب الفرقان“ کو اسی انداز میں تصنیف کیا ہے۔ دوران تفسیر انہوں نے محاورہ عرب اور تصریف آیات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے محاورہ عرب کا نام لے کر مغرب کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی میں پبتلا ہو کر قرآنی مفردات میں خود ساختہ مفہوم داخل کیے ہیں۔ اور تصریف آیات کی آڑ میں تحریف آیات کا دم بھرا ہے۔ قرآنی الفاظ و اصطلاحات میں شارع کے مفہوم و معانی کو نظر انداز کر کے اپنے خود ساختہ مدلولات کو ٹھونٹنا ہے۔ فاضل مضمون لگانے پرویز صاحب کے چند اہم تحریفی معانی کو زیر بحث لاتے ہوئے، الفاظ کے قرآنی استعمالات کی روشنی میں ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اگرچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی جملہ تحریفات اور اصطلاحی اخراجات کو بے نقاب کیا جائے۔ (مدیر)

قدیم و جدید جملہ مذکورین حدیث کا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے سے کرتے ہیں، قرآن سے تفسیر کرنے کو وہ تصریف الآیات کا نام دیتے ہیں، چنانچہ ان کے ایک علمبردار خواجہ از ہر عباس پرویز کے بارے میں لکھتے ہیں:

”نامور مفکر قرآن، علامہ غلام احمد صاحب پرویز نے اسی طرح کی تفسیر کا سلسہ جاری رکھا، انہوں نے محاورہ عرب کے تحت نئی لغات القرآن تصنیف کی اور تصریف الآیات کے لیے توبیہ القرآن شائع کی۔“ (۱)

اپنا نظر یہ بیان کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

”جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآن کریم میں وہ لفظ مختلف آیات میں آیا ہو تو قرآنی طالب علم کے لیے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اس لفظ کے متعدد معانی میں سے کون

ایسوئی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی، لاہور پاکستان۔

سامنی زیادہ موزوں ہے، اس لیے قرآن کے دیگر مقامات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ اس طریق سے جن معانی کو ترجیح دی جائے گی وہ قرآنی مفکر کا فکری اجتہاد ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مفکر کا فکری اجتہاد بھی نہ وہ خداوندی کی طرح حرف آخر ہو سکتا ہے اور نہ غیر متبدل۔ دوسرے تو ایک طرف وہ خود بھی مزید غور و فکر سے اپنے سابقہ فکری استنباط میں تبدیلی کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی تائید لغت اور قرآن کی کلی تعلیم سے ہوتی ہو۔“ (۲)

پرویز ”تصریف آیات“ کے ذریعے بعض آیات کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جس کو تفسیر کی وجہ تحریف کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ان کے ہاں سیاق و سباق عملاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ”کہیں کی اینٹ کہیں کاروڑ ابھان متی نے کتبہ جوڑا“ کا مقولہ پرویز کی ”تفسیر“ پر صادق آتا ہے۔ القرآن یفسر بعضہ بعض کے اصول کا بعض مفسرین نے مرعی نہیں رکھا۔ غلام احمد پرویز بھی صرف ایک ایک آیت کو بحث و تفسیر کے لیے چنتے ہیں اور مجموعی تاثر سے الگ کر کے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے بعض مفسرین الفاظ قرآنیہ کی بھی پاسداری نہیں کرتے۔ اگر کسی قرآنی لفظ کا معنی دوسرے مقام پر متعین بھی کر دیا گیا ہو لیکن اس سے ان کے مخصوص نظریات و معتقدات پر زد پڑتی ہو تو اس سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ غلام احمد پرویز نے مجرمات کے سلسلے میں مباحثت میں انہوں نے الفاظ قرآنیہ کی مطلقاً پیروی نہیں کی۔ اس ”کلی تعلیم“ کو بھی عملاً انہوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

تصریف آیات سے تفسیر کرنے کے بلند بالا گک دعاوی کے باوجود عمل کا معاملہ انتہائی کمزور ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً استغفار اور اسحار کا ”قرآنی مفہوم“ بیان کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں: استغفار کے معنی ہوتے ہیں: حفاظت چاہنا، سحر کے معنی ہوتا ہے: کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت۔ اسی استغفار اور اسحار وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (۳) کی وضاحت کچھ آگے چل کر یوں کرتے ہیں:

قرآن تو کہتا ہے کہ وہ پروگرام شروع کرنے سے پیشتر ہی حفاظت کے سامان کے متعلق سوچ لیتے ہیں کہ کس کس قسم کے خطرات و مشکلات کا امکان ہے اور اس کے لیے کیا کرنا چاہیے یہ پوچھیے ان بردآزماؤں سے، جنہوں نے اس کے بعد جنگ کرنا ہوتی ہے کہ وہ میدان میں جانے سے پیشتر اپنے ہاں کیا کیا سوچتے ہیں اور اس میں سب سے بڑی سوچ یہ ہوتی ہے کہ دشمن سے بچنے کی کیا کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ پہلی سوچ یہ ہوتی ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (۳:۷۱) یہ ہے وہ جو یہاں قرآن انگر ہے۔ اب اس کے بعد آیا ہے بالاسحار۔ یہ وہ چیز ہے جو پروگرام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ خطرات و مشکلات کے کیا کیا امکانات ہیں اور خاص طور پر یہ کہ ان

خطرات سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔” (۲)

استغفار اور سحر کا مذکورہ بالامعنی و مفہوم کئی اعتبار سے غلط ہے:

اول

اس مفہوم کو خود پرویز صاحب نے بھی کئے مقامات پر ترک کر دیا ہے۔ اس کا مفہوم تو انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کے وقت حفاظت چاہنا۔ مگر زور سارا اس پر صرف کر دیا کہ ”پروگرام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ خطرات و مشکلات کے کیا کیا امکانات ہیں۔“

دوم

سحر کا معنی اگر ”کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت“ ہو تو اس کا مطلب تو یہ نکلے گا کہ دن کے وقت کوئی پروگرام شروع کیا ہی نہیں جاسکتا، اگر کیا جائے تو اس کے لیے سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کے پیش آمدہ خطرات سے کوئی حفاظت یا بچاؤ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس استغفار کا ذکر رات کے حوالے سے کیا گیا ہے جس کی دلیل تصریف آیات کے اصول کے مطابق مندرجہ ذیل فرمان الٰہی ہے جس میں متین کی صفات کا بیان ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِنَ الْيَلِ مَا يَهْجِعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (۵)

”وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔“

قرآنی الفاظ قِيمِ الْيَلِ (۶)، نَاشِئَةُ الْيَلِ (۷)، ثُلُثَى الْيَلِ (۸)، وَ مِنَ الْيَلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ (۹)، اور وَالَّذِينَ يَبْتُونَ لِرَبِّهِمْ (۱۰) سے سحر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ سحر کا تعلق دن کے ساتھ نہیں بلکہ رات کے ساتھ ہے۔

سوم

استغفار اور سحر کا معنی قرآن سے متین نہیں کیا گیا۔ پرویز کا بیان کردہ معنی و مفہوم قرآن کی روشنی میں بھی غلط قرار پاتا ہے۔ پرویز نے استغفار کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم یوں بنتا ہے:

وَ اسْتَغْفِرِي لِلَّذِنْبِكِ (۱۱)

اور تو اپنے گناہ کی ”حفاظت طلب کر۔“

فَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِهِمْ (۱۲)

انہوں نے اپنے گناہوں کی ”حفاظت طلب کی۔“

”طلب کرنے“ کا مفہوم تو باب استفعال کے خاصہ کی وجہ سے ہے اگر استغفار کے دیگر مشتقات کو دیکھا جائے تو بھی پرویز کا مفہوم استغفار قرآن کے خلاف ہے۔ مثلاً پرویزی مفہوم کے مطابق درج ذیل آیات کا

مطلوب کچھ یوں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (۱۳)

اللَّهُ سَبَبَ گناہوں کی "حافظت کرتا ہے۔"

يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (۱۴)

وہ تمہارے گناہوں کی "حافظت کرے گا۔"

غَافِرُ الذَّنَبِ (۱۵)

گناہ کی "حافظت کرنے والا۔"

ادنی ساغور و فکر بھی اگر ان آیات پر کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے پرویز کا مشہوم استغفار قرآن کی روشنی میں غلط قرار پاتا ہے۔

استغفار کے بارے میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"إِسْتِغْفَارٌ" کے معنی قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں، لہذا آیت کریمہ: اسْتَغْفِرُوا رَبِّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَارًا (۱۶) "اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بِإِعْفَافٍ كرْنَے والے ہے۔" میں صرف زبان کے ساتھ مغفرت مانگنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ زبان اور عمل دونوں کے ساتھ معافی طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر بعض نے کہا کہ صرف زبان سے بخشش طلب کرنا کذاب آدمیوں کا کام ہے اور یہی معنی آیت کریمہ اذْعُونِی أَسْتَجِبْ لِكُمْ (۱۷) "کتم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" میں اذْعُونِی کے ہیں، قرآن میں ہے: إِسْتَغْفِرَلَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرَلَهُمْ (۱۸) "ان کے لیے بخشش مانگو یا نہ مانگو، وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ امْنَوْا (۱۹)" اور مونوں کے لیے بخشش مانگنے رہتے ہیں۔"

اور الغافر والغفور اسمائے حصی سے ہیں۔ اور ان کے معنی گناہوں کا بخشنے والا۔ چنانچہ فرمایا:

غَافِرُ الذَّنَبِ۔ جو گناہ بخشنے والا ہے۔ (۲۰)

إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ۔ وہ تو بخشنے والا قرداں ہے۔ (۲۱)

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲)

غَفِيرٌ۔ معنی غُفران ہے اسی سے فرمایا:

رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَاللَّهِي..... اے پروردگار (حساب کتاب کے دن) مجھے اور میرے ماں باپ..... کو بخش دیجیو۔ (۲۳)

آن یَغْفِرُ لِمَنْ خَطَا تَبَّعِي - میرے گناہ بخش دے گا۔ (۲۲)

وَأَغْفِرُ لَنَا - اور ہمارے گناہ بخش دے۔ (۲۵)

بعض نے کہا ہے کہ إِغْفِرُوا هذَا الْأَمْرَ بِغَفْرَتِهِ کے معنی یہ ہیں کہ اس معاملہ کو اس طرح چھپاؤ جس طرح چھپانے کا حق ہے۔ الْمِغْفُرُ لو ہے کا خود العِفَارَةُ اس چیز کا کہتے ہیں جسے عورت اپنے دوپٹہ کوتیل سے بچانے کے لیے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں۔ نیز عِفَارَةُ اس بادل کو کہتے ہیں جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو، نیز اس ٹکڑے کو بھی جس سے کمان کے گوشہ کو پیٹتے ہیں۔ (۲۶)

مگر سیاق و سبق، نظائر قرآنی اور تصریف آیات کے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مفسرین اور جمہور ائمہ و فقہاء سے مختلف موقف اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک استغفار سے مراد سامان حفاظت طلب کرنا ہے۔ اسْتِغْفارُ ابْرَاهِيمَ لَآبِيهِ (۲۷) کے بارے میں پرویز صاحب یوں لب کشائی کرتے ہیں:

”ہمارے ہاں حسب معمول جناب! اس پر فقة کا ایک مسئلہ جل دیا کہ یہ جو حضرت ابراہیم نے اپنے مشرک باپ کے لیے استغفار کا اس طرح سے اظہار کیا تھا یہ مشرکین کے لیے استغفار جائز نہیں۔ استغفار کے معنی دعائے مغفرت کے ہوتے ہیں۔ مغفرت کے معنی ”یا اللہ“ ایوں قیامت اچ بخش دیں جہنم اچ ناچیجیں (۲۸) اس طرح یوں بات چلی اور یہ آپ کے ہاں کا مسئلہ چلا ہوا ہے۔ سوال کیا تھا؟ یہ ابراہیم کیا سلامتی چاہتا تھا؟ یہ استغفار کیا تھا؟ استغفار کے معنی تو آپ کو معلوم ہیں کہ ”غفرہ“ اس ہیلمٹ یا مغفرہ کو کہتے ہیں جو سپاہی اپنے سر پر ڈال لیتا ہے کہ اگر کہیں سے کوئی گولی یا تیر یا پتھر آئے تو سر کا نازک ترین حصہ محظوظ رہے۔ اس کی حفاظت کا جو سامان ہوتا ہے یہ اسے کہتے ہیں۔ اس طرح استغفار کے معنی ہوتے ہیں: سامان حفاظت طلب کرنا۔ یہاں کہا ہے کہ ابا جان!

آپ تو غصے میں ہیں لیکن میں آپ کے لیے پھر بھی سامان حفاظت طلب کرتا رہوں گا۔ (۲۹)

آیت کریمہ سَاسْتَغْفِرُكَ رَبِّي (۳۰) میں ”سامان حفاظت طلب کرنا“، مراد لینا کئی اعتبار سے غلط ہے۔ ایک تو اس لیے کہ استغفار کے مادہ (Root) کی روشنی میں اس لفظ کا ایک معنی طلب حفاظت ہو سکتا ہے مگر ”سامان“ کا لفظ پرویز صاحب نے اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے۔ اسْتِغْفارُ ابْرَاهِيمَ میں استغفار سے مراد ”دعائے مغفرت“ لینا ہی درست ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پر عمل وَأَغْفِرُ لَآبِيهِ (۳۱) اور میرے باپ کی مغفرت کر دیجیے“ کے الفاظ سے کیا تھا اور یہ استغفار آخرت میں اس کی مغفرت سے متعلق ہی تھا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعاَ بَنَا أَغْفِرُ لِي وَلِوَالَّدَيَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (۳۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔

پھر ان کی اس دعائے مغفرت کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ نہیں بنایا جیسا کہ **إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لَا يُبْهِ لَا سُتْغِفَرَنَّ لَكَ** (۳۳) کے استثناء سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا:

﴿وَمَا كَانَ أَسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لَا يُبْهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَذُولٌ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (۳۴)

”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کرچکے تھے، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے پیزار ہو گئے۔“
یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِنَّ قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِّيمِ (۳۵)

”نبی اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں، تو ان کے لیے بخشش مانگنیں گے وہ ان کے فرابت دار ہی ہوں۔“

اگر استغفار سے دنیوی طور پر طلب حفاظت مراد ہوتی تو جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا تھا، نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو مشرکین کے استغفار سے روک دیا گیا وہاں اس بات کی اجازت نہ ہوتی کہ وہ مشرکین کو پناہ دیں یا ان کی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے تو ممانعت فرمادی مگر امان دینے کی اجازت استغفار سے منع کے باوجود باقی رہتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَمَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغْهُ مَأْمَنَةً (۳۶)

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ (امان) کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔

کیا یہ حفاظت کا سامان نہیں کیا گیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار سے مراد دعائے مغفرت ہی ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے باپ سے سَلَمٌ عَلَيْكَ (۳۷) کہا تھا۔ جس کا مفہوم پرویز نے یہ بیان کیا ہے: خدا تھے سلامت رکھے۔ (۳۸) یا یوں بیان کیا: اللہ کرے کہ تو سلامت رہے۔ (۳۹)

جب سلامتی کی دعا ہو چکی تو پھر استغفار کے لفظ سے اسی سلامتی اور سامانِ حفاظت طلب کرنے کی کیا

ضرورت تھی؟ یہی حال لفظ سحر کا ہے۔ سحر کا معنی اگر قرآن سے متعین کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت نہیں بلکہ رات کا ایک حصہ ہے۔ قرآن مجید کی نص صریح کے مطابق حضرت لوٹ کی قوم پر عذاب صحیح کے وقت آیا تھا۔ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت لوٹ اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس بُتی سے کوچ کا حکم دے چکا تھا۔ وہ رات کے وقت ہی بُتی سے نکل گئے تھے ان کے نکل جانے کے بعد ان کی نافرمان قوم پر عذاب کا کوڑا برس پڑا۔ لوٹ اور آل لوٹ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحْرٍ (۲۰)

”ہم نے ان کو رات کے پچھلے حصے میں بچالیا۔“

جب کہ قوم کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ صَبَّحُهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌ (۲۱)

”اور ان پر صحیح سوریے ہی اٹل عذاب آنازل ہوا۔“

صحیح سوریے تو قوم پر عذاب آگیا حضرت لوٹ اور اہل ایمان کے وہاں سے نکلنے کا کون سا وقت ہو سکتا تھا؟ یقیناً اس سے پہلے کا وقت ہی ہو سکتا تھا۔ اسے قرآن نے سحر کہا ہے۔ لوٹ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَسْرِ بِإِهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الْيَلِ (۲۲)

”پس تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکل۔“

اور قوم کے بارے میں فرمایا:

أَنَّ دَابِرَ هُولَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحُينَ (۲۳)

”ان لوگوں کی جڑ صحیح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔“

پھر ایسا ہی ہوا:

فَآخَذْتُهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقُينَ (۲۴)

”ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آپکڑا۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالُوا يَلْوُطْ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِإِهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الْيَلِ وَ لَا يَلْتَفِتُ

مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبُحُ أَلَيْسَ الصُّبُحُ

بِقَرِيبٍ (۲۵)

”فرشتوں نے کہا کہ لوط! ہم تمہارے رب کے سچے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک ہر گز نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے چلو اور تم میں سے کوئی شخص پچھے پھر کرنے دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے۔“ مذکورہ بالا تمام آیات قرآنیہ سے قرآنی طالب علم بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ سحر کا پرویزی معنی و مفہوم درست نہیں۔ خلاف قرآن اور قرآن سے معنی متعین نہ کرنے کی ایک مثال لفظ بغایا بھی ہے اس کا معنی انہوں نے ”حدود شکن“ کیا ہے۔ (۲۶) یہ مفہوم انہوں نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بیان کیا ہے:

قَالُوا يَمْرِيمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيَّا يَا حُنْتَ هَرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٌ وَّ مَا كَانَتْ أُمُّكِ
بَغِيًّا (۲۷)

”وہ کہنے لگے یہ تو تو نے برآ کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔“

غلام احمد پرویز اس آیت کی تفسیر درج ذیل بیان کرتے ہیں:

”وہ لوگ، وہ احبار و رہبان، اس سے کہتے کہ اے اخت ہارون! نہ تو تیرا باپ برآ آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین و ضوابط سے سرکشی اختیار کی تھی۔ تم تو ایک شریف، مذہب پرست، پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھیں تم نے کیا کیا، اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلاتی؟“ (۲۸)

بغایا کا معنی ہیکل کے قوانین و ضوابط سے سرکشی کرنے والی خلاف لغت ہونے کے ساتھ ساتھ خود قرآن کے بھی خلاف ہے۔ آیت ما نحن فیها سے چند ہی آیات قبل یہی لفظ آیا ہے وہاں بغایا کا ”بدکار“، ”زنکار“ کے علاوہ کوئی دوسرا معنی و مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت مریم نے فرمایا تھا:

إِنِّي يَكُونُ لِيْ غُلْمٌ وَّ لَمْ يَمْسِسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ أَكُ بَعِيًّا (۲۹)

”میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا مجھے کسی بشر نے چھوتا کہ نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔“

بغایا کا یہی مفہوم (اس آیت میں) پرویز نے بھی اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

”حضرت مریم نے کہا کہ میرے ہاں کچھ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا اور میں (معاذ اللہ!) حرام کاری کی مرتب بھی نہیں ہوئی۔“ (۵۰)

بغایا کا اصل معنی بدچلن ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے متعین ہوتا ہے۔ اس بنیادی معنی و مفہوم کا اقرار خود

پرویز صاحب نے بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

بَعْتُ الْمَرْءَةَ بِعَاءً: عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتب ہو گئی بَغْيٌ اور بَغْوٌ زنا کا رعورت کو کہتے ہیں۔ (۵۱) مگر وَ لَمْ آكُ بَغِيًّا (۲۰:۱۹) میں اس اساسی معنی کو ترک کر دیتے ہیں۔ (۵۲) اور اس کا خود مقرر کردہ معنی و مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ مریم نے رسم خانقاہیت کو توڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ متاہل زندگی گزارنا ہیکل کے تو انین وضوابط کے ہرگز خلاف نہیں تھا، خود پرویز صاحب نے انسائیکلو پیڈیا آف ریچن اینڈ آٹھکس کے حوالے سے تسلیم کیا ہے کہ Nuns کا متاہل زندگی گزارنا خانقاہیت کے ضابطہ کے خلاف نہ تھا۔ لکھتے ہیں:

”عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا اگرچہ بعض اوقات ایسا کہ بھی لیا جاتا تھا۔“ (۵۳)

جب ایسا کہ بھی لیا جاتا تھا تو پھر تو انیں ہیکل کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی کہ پرویز صاحب کو خلاف قرآن معنی و مفہوم لینے کی ضرورت پیش آئی!

شیطان اور ابلیس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن جسے شیطان یا ابلیس کہتا ہے، وہ تو انسان کے اپنے ہی سرکش جذبات کا نام ہے۔“ (۵۴)

ابلیس کے بارے میں یہ نقطہ نظر قرآن کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے ابلیس کو ایک علیحدہ مخلوق کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس کا مادہ تخلیق بھی جدا بیان کیا ہے۔ نیز انسانی تخلیق سے اس کی تخلیق کو مقدم قرار دیا ہے۔ ابلیس کے بارے میں قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفْسَخَهُنَّهُ وَ ذُرِّيَّتُهُ أُولَيَاءِ مِنْ دُونِيٍّ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ (۵۵)

”وہ جنات میں سے تھا تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کی اولاد کو میرے سواد و سوت بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔“

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ ابلیس کی ذریت بھی ہے نیز وہ انسان کے علاوہ اور مخلوق ہے۔ ”جن“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا وجود انسانوں کی تخلیق سے پہلے بھی تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْجَانَّ حَلَقُهُ مِنْ قَبْلٍ مِنْ نَارِ السَّمُومِ (۵۶)

”اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں گرم آگ سے پیدا کیا تھا۔“

اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہی اسی بنیاد پر کیا تھا وہ مادہ تحقیق کے اعتبار سے انسان پر فوقيت رکھتا ہے:

قَالَ آنَا خَيْرٌ مِّنْهُ حَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَّحَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (۵۷)

”بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔“

اگر انسان کے علاوہ ابلیس کا علیحدہ وجود نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیونکر بحث و تکرار کی اور اپنے آپ کو افضل قرار دیا۔ اگر صرف سرکش جذبات کو ابلیس کہا جاتا ہے تو سرکش جذبات کے تکبر کرنے اور سرکشی اختیار کرنے کے چہ معنی دار؟

جن کو اگر سرکش جذبات کا نام دیا جائے تو تصریف آیات اور تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق سرکش جذبات نیک اور مسلمان بھی ہوتے ہیں جبکہ بعض سرکش جذبات بد اور ظالم بھی ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید جنوں کے بارے میں کہتا ہے:

وَآنَا مِنَ الصَّالِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَّادًا (۵۸)

”اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔“

وَآنَا مِنَ الْمُسِلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَسِطُوْنَ (۵۹)

”اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔“

سرکش جذبات سرکش جذبات ہونے کی حیثیت سے نیک اور فرمانبردار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو سرکش جذبات کا وجود تو ختم ہو گیا!! ابلیس یا شیطان سے اگر سرکش جذبات مراد لیے جائیں تو اس طرح قرآن مجید میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کے تضادات سے پاک ہے۔ یہ اسی صورت میں ہی ممکن ہے جب صرف ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر اس کی تفسیر و تاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ قرآن مجید کی مجموعی تعلیم کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے اور کسی لفظ کا معنی و مراد متعین کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ ایک جگہ کسی لفظ کا جو معنی مراد لیا گیا ہو وہ قرآن کے کسی دوسرے مقام کے منافی نہ ہو۔

انہوں نے اپنا دعویٰ یوں پیش کیا:

”قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے دو اصولی تقاضے بنیادی ہیں، یعنی محاورہ عرب اور تصریف،

آیات۔ قرآن کریم نے خود تصریح کی ہے کہ وہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، لہذا اسے سمجھنے

کے لیے ضروری ہے کہ یہ معلوم اور متعین کیا جائے کہ زمانہ نزول قرآن کے عرب، اس کے الفاظ کا

مفہوم کیا لیتے تھے۔“ (۲۰)

نصوص کتاب اللہ کے خلاف تفسیر بالرأی

قرآن کی نصوص کے خلاف رائے پیش کرنا حرام ہے۔ ایسی رائے کے بارے میں جو نہیں معلوم ہو کہ وہ قرآن سے متصادم ہے تو اس کا ترک واجب ہے۔ چند مشاہد درج ذیل ہیں:

(۱) کسی ایک پیغمبر پر نازل ہونے والی کتاب کو بعض لوگ تورات قرار نہیں دیتے بلکہ انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے تمام صحف کو تورات کہتے ہیں۔ یہ موقف غلام احمد پرویز کا ہے، بلطفظ:

”جسے اب تورات کہا جاتا ہے وہ اس کتاب کا نام نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ تورات مجموعہ ہے ان تمام صحف کا، ان تمام چھوٹی چھوٹی کتابوں کا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ سے پہلے تک کے انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں۔ ان تمام صحف کے مجموعے کو عہد عتیق یا Old Testament ہے۔ وہ تورات نہیں ہے۔ وہ تو ان انبیاء کی طرف نازل کردہ صحف کا مجموعہ ہے اور اسی کو قرآن نے تورات کہہ کر پکارا ہے۔“ (۶۱)

موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحف کا تذکرہ صُحْفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (۶۲) کے الفاظ سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ ان پر نازل ہونی والی ایک کتاب ہے نہ کہ کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں، موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ قَبْلَهُ كِتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً (۶۳)

اسی کِتَابُ مُوسَى کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى (۶۴)

جس کتاب کو لے کر موسیٰ علیہ السلام آئے تھے اسی کتاب کو تورات کہا گیا ہے اور تورات کی نسبت بجز موسیٰ علیہ السلام کے کسی اور پیغمبر کی طرف نہیں کی گئی۔ احادیث میں تورات کے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کی صراحت موجود ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں سے روز قیامت کہیں گے:

ائتُوا موسى عبداً كَلْمَهُ اللَّهِ وَاعطَاهُ التُّورَةَ (۶۵)

”موسیٰ کے پاس چلو جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا اور انہیں تورات دی تھی۔“

ایک حدیث میں اتاہ اللہ التوراة (۶۶) (اللہ نے ان کو تورات عطا کی) کے الفاظ ہیں۔

حدیث رسول احتج ادم و موسیٰ میں آدم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

يا موسى اصطفاك الله بر سالته وبكلامه وانزل عليك التوراة (۶۷)

”اے موئی اللہ نے آپ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چنان ہے اور آپ پر تورۃ نازل کی ہے۔“

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ موئی علیہ السلام پر نازل کی جانے والی کتاب کا نام ہی تورۃ ہے، نیز مذکورہ بالا احادیث قرآن کے خلاف، بھی نہیں لہذا منکرینِ حدیث کے ہاں بھی مسلم ہونی چاہئیں۔

(۲) حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹی کی بشارت دی گئی تو انہوں نے کہا:

رَبِّ أَنِي يَكُونُ لِيْ غُلْمٌ وَّ كَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغَتُ مِنَ الْكِبِيرِ عِتْيَا (۲۸)

”کہا: میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد ہونے میں دور کاوٹیں تھیں، ایک بیوی کا بانجھ پن اور دوسرا خاوند کا بڑھا پا جبکہ ان کی اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نامی بیٹا عطا کیا۔ پرویز صاحب زکریا علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تو ٹھیک تھے، بیوی میں کوئی طبعی نقص تھا، بیوی میں کوئی بیماری تھی، بلطفہ:

”یہ کہا کہ اس کی بیوی میں کوئی نقص تھا، اصل میں طبعی نقص تھا، کوئی بیماری تھی تو اس کا علاج ہوا، وہ

بیماری دور ہو گئی، وہ اولاد کے قابل ہو گئی یعنی اس طرح وَ أَصْلَحَنَا لَهُ رُوْجَةً (۹۰: ۲۱) کیا عجیب

لفظ ہیں! اللہ کے معنی اس کے لیے یعنی وہ تو ٹھیک تھا اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت تھی تو بیوی

میں کوئی بیماری تھی۔ اصلنا کا لفظ بتارہا ہے کہ وہ نقص دور ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ آگے اولاد پیدا کر سکے۔“ (۲۹)

یہ سارا ہیر پھیر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ بھی علیہ السلام کی ولادت کو مجزہ تسلیم نہ کرنا پڑے۔ زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت تھی، غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو زکریا علیہ السلام اشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْيَا (۰۷) اور قَدْ بَلَغَتُ مِنَ الْكِبِيرِ عِتْيَا (۱۷) کیوں کہتے! پھر ان کا اُنِي يَكُونُ لِيْ غُلْمٌ کہنا اور اجْعَلُ لِيْ أَيَّةً (۲۷) کہنا یعنی نشانی طلب کرنا بھی اس حقیقت کا عکاس ہے کہ زکریا علیہ السلام میں اس وقت اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو یہی تھی مگر اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳) آیات قرآنیہ کی روشنی میں غلام احمد پرویز نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ”نکاح کی عمر جوانی ہے جب تک لڑکی اور لڑکا جوان نہ ہو جائیں، قرآن کی رو سے وہ نکاح کی عمر کو نہیں پہنچتے۔ چنانچہ کم سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا۔“ (۷۳)

یہاں آیات قرآنیہ سے وَ ابْتَلُوا الْيُتَمَى حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشُدًا فَادْفَعُوهُ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ (۷۷) اور وَ لَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيُتَمِّ إِلَّا بِالِّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يُلْعَغُ أَشْدَدَهُ (۷۵) مراد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں مضبوطی سن بلوغت کے بعد ہی آتی ہے۔ جبکہ عقل کی پنچھی تو جوان ہونے کے بہت بعد میں آتی ہے۔ نکاح کی عمومی عمر بلوغت ہی ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کم سنی میں نکاح منعقد ہی نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء خیار بلوغ کے قائل ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے نابانع کا عقد النکاح ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ کم سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا نظائر قرآنی اور حدیث و سنت کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ایسی عورتوں کی عدت کا بیان بھی موجود ہے جنہیں ایام ماہواری نہیں آتے۔ جو کم سنی کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّهِيْنِ يَسْنُنَ مِنَ الْمَعِيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبَّتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّاَنِي لَمْ يَحْضُنْ وَأَوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعُنَ حَمْلُهُنَّ (۲۶)

”اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے نا امید ہو چکی ہوں اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔“

وَاللَّاَنِي لَمْ يَحْضُنْ كَالْفَاظُ الصَّغِيرِيْنِ كَمَنْعِدَهِ نِكَاحَ كَجَوازِ دِلِيلٍ ہیں۔

(۲) نجی یا ذاتی ملکیت (Private Property) ادارہ طلوع اسلام کے نزدیک جائز نہیں۔ نجی ملکیت کی نفی کے لیے وہ اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُفِقُونَ قُلِ الْعَفْوُ (۷)

العفو کے معنی حاجت سے زائد چیز کے بارے میں حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

”اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے، یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا جس پر فرضیت زکوٰۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے، یا اس کے معنی ہیں: ما سهل و تیسر و لم یشق علی القلب (فتح القدیر) ”جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے۔ اسلام نے یقیناً انفاق کی بڑی ترغیب دی ہے لیکن یہ اعتدال مخوض رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے، دوسرے اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ کل کو تمہیں یا تمہارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑے۔“ (۷۸)

العفو کے لفظ سے غلام احمد پرویز پر ایویٹ پر اپرٹی کی نفی کرتے ہیں۔ اپنے ”نظام ربوبیت“ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”اس نظام میں ذاتی ملکیت کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ العفو (ضروریات سے فضل) بطور

امانت، فرد متعلقہ کی تحویل میں رہ سکتا ہے۔” (۷۹)

”اس قل العفو کے فیصلہ نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے طے کر کے رکھ دیا، اس سے کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہی، جب کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہی تو معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی تمام خرابیوں اور بتاہیوں کا خاتمہ ہو گیا۔“ (۸۰)

”اگر تم سچ مجھ پاکستانی معاشرہ میں مساواتِ محمدی لانا چاہتے ہو تو بلا توقف العفو کو صورت عمل میں لاؤ، کسی کے پاس، قرآنی بیانوں کے مطابق، جائز ضرورت سے زائد دولت نہ رہنے دو۔“ (۸۱)

نظام سرمایہ داری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قرآن کریم نے نظام سرمایہ داری کے ختم کرنے کے سلسلے میں کہا تھا کہ يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُفِيقُونَ اے رسول! تجھ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دیں، قُلِ الْعَفْوَ (۲۱۹:۲) ان سے کہہ دو کہ جس قدر، تمہاری ضروریات سے زائد ہے سب کا سب۔“ (۸۲)

اس آیت کریمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قُلِ الْعَفْوُ: کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے وہ سب کا سب۔ اس طرح قرآن کریم نے فاضلہ دولت (Surplus Money) کا وجود ختم کر دیا جو نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔“ (۸۳)

اسی العفو کا معنی و مفہوم اگر قرآن و سنت کی مجموعی اور کلی تعلیمات کی روشنی میں لیا جائے تو جو نتیجہ غلام احمد پرویز نکالنا چاہتے ہیں وہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کا ایک حصہ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ سب کا سب۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

يَايُهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا يَبْيَعُ فِيهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَ لَا شَفَاعَةٌ (۸۴)

”ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس سے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔“

يَايُهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِنْ كَيْلَتَ مَا كَسَبُتُمْ وَ مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (۸۵)

”مونو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے

بہتر حصہ خرچ کرو۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا (۸۶)

”جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کچھ، اللہ کی راہ میں خرچ کرو، تو کفار نے یہی کہا کہ.....“

وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْلِفِينَ فِيهِ (۸۷)

”ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن پر اللہ نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔“

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ آنِ يَوْمَيَّاتِيَّ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (۸۸)

”جو رزق، ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے۔“

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ امْنَوْا يُعْبَدُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ (۸۹)

”(اے نبی!) میرے مومن بندوں کو فرمادو کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہیں۔

ان آیات کریمہ میں من تبعیضیہ ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات وہ ہیں جن میں وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ کے الفاظ آئے ہیں۔ (۹۰)

ان آیات میں ظاہر ہے، سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو زکوٰۃ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ زائد از ضرورت دولت پر ہوتی ہے۔

زادہ از ضرورت دولت پر اگر اسلامی حکومت قبضہ کر لیتی ہوتی تو غزوہ تبوک میں بعض مسلمانوں کے پاس سامان حرب و ضرب، اشیائے خوردنو ش اور متعاق سفر کی قلت نہ ہوتی اور نہ بیت المال خستہ حال ہوتا جبکہ قرآن نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

وَ لَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتُوكَ لِتَحْمِلُهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ آعِنْهُمْ تَفْيِضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (۹۱)

”اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں پر (الزم اے) کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسوں بہرہ ہے تھے۔“

(۵) اسلام میں طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے اس لیے طلاق دینے کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔ (۹۲)

تعالقات کشیدہ ہونے پر مرد و عورت کی طرف حکم (ثالث) بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔ (۹۳)

مگر طلاق دینے کا آخری فیصلہ اور حق پھر بھی مرد کا ہوتا ہے۔ مگر پرویز صاحب بلا دلیل اور نسبت طلاق کے خلاف طلاق دینے کا حق مرد کی بجائے عدالت کو تغولیض کرتے ہیں (تاکہ مساوات مردو زن کی راہ ہموار کی جائے) لکھتے ہیں: ”اگر ثالثوں کی کوشش سے ان میں موافقت کی صورت نکل آئے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہیں تو ظاہر ہے کہ انہیں اس معاملہ کی روپورٹ اس نظام یا عدالت کے پاس بھیجنی ہوگی جس نے انہیں ثالث مقرر کیا تھا۔ وہ عدالت اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ فریقین میں طلاق ہو جانی چاہیے۔“ (۹۴)

جبکہ قرآن مجید طلاق کی نسبت شوہر کی طرف کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحْلُلْ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تُنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (۹۵)

”تو اگر وہ (خاوند) اس (عورت) کو (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت

کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہوگی۔“

اس آیت کریمہ میں طلاق واحد مذکور غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لہذا طلاق دینے کی اتحاری بھی وہی ہو سکتی ہے۔ ہامیمیر منوث کے لیے ہے جس پر طلاق کا عمل واقع ہوتا ہے۔

سیاق و سباق سے تعین معنی کی پاسداری نہ کرنا

سیاق و سباق سے تعین معنی کے منکریں حدیث بھی قائل ہیں۔ وہ سیاق و سباق سے متشابہات کا معنی متعین کر لینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (۹۶)

ذو معنی لفظ کے بارے میں ازہر عباس لکھتے ہیں:

”کسی ذو معنی لفظ کا مفہوم ربط کلام، قرآن، سیاق اور کائناتی مشاہدات کو ملاحظہ کر کے بغیر متعین

نہیں کیا جائے گا۔“ (۹۷)

مگر سیاق و سباق کے حوالے سے عملاً ان لوگوں کا معاملہ بہت کمزور ہے۔ مثلاً حضرت مریم کے پاس

حضرت جبریل نے آ کر یہ کہا تھا:

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكَ (۹۸) ”میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔“

غلام احمد پرویز یہاں رب سے رب نہیں بلکہ مرتبی مراد لیتے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے اس لفظ کے

استعمال رب البت اور رب المال وغیرہ کا سہارا لیا ہے۔ (۹۹)

سیاق و سبق کو اگر منظر کھا جائے تو یہاں رب سے مراد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بھیجے جانے والے کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے فارسُلنا (۱۰۰) (ہم نے بھیجا) کا لفظ بولا جس سے بھیجنے والا معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر بھیجا ہوا آہتا ہے:

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لَا هَبَّ لَكِ غُلَمًا زَكِيًّا (۱۰۱)

جب حضرت مریم نے حیرانگی کا اظہار کیا تو بھیجے ہوئے نے کہا:

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىٰ هِينَ وَلَنْجَعِلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَا (۱۰۲)

اب ظاہر ہے یہاں رب سے مراد ہی بھیجنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مزید تاکید لفظ نجعل اور رحمة منا میں منا کے لفظ سے ہوتی ہے۔ پھر یہ بات قرآن سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اولاد دینا کسی پیغمبر یا فرشتے کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَهْبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا وَيَهْبُ لِمَنْ يَشَاءُ الدُّكُورَ أَوْ يُزِّرُ جُهُمْ ذُكْرَانَا وَإِنَّا وَيَجْعَلُ مَنْ

يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (۱۰۳)

”جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹی بختا ہے یا ان کو بیٹی اور بیٹیاں دونوں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جانے والا اور قدرت والا ہے۔“

قب قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ) کے الفاظ جو معراج النبی کے تذکرے میں آئے ہیں ان کو سیاق و سبق سے کاٹ کر غلام احمد پرویز اسے دو شخصوں کا معاہدہ قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۴) مکی سورۃ النجم، میں آنے والے الفاظ کو انہوں نے غزوہ بدرا (۲۶) کے تذکرے میں فٹ کیا ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلِكِنَّ اللَّهَ قَتَّالَهُمْ (۱۰۵) آیت ذکر کرنے کے بعد وَ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلِكِنَّ اللَّهَ رَمَلِي (۱۰۶) کو قب قوسین کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۷) جس کی سیاق و سبق سے کوئی مطابقت نہیں۔

ایمائلیت (Suggestiveness) کے سہارے پر بھی بہت سے مقامات پر پرویز صاحب نے سیاق و سبق کو نظر انداز کیا ہے۔ قیامت کے بارے میں آنے والی اکثر آیات کو انہوں نے دنیوی انقلابات وغیرہ کی تفصیل پر منطبق کر دیا ہے۔ اصحاب الکھف کے بارے میں آنے والے فرمان الہی ثمَّ بَعْثَنَاهُمْ (۱۰۸) میں بعث سے مراد ان کے نزدیک اصحاب کھف کا (Underground) چلے جانے کے بعد آزادی میں رکاوٹ بننے والی زنجیروں کو اٹھانا ہے۔ بلطفہ: یہاں بعث کا لفظ ہے۔ سجان اللہ! ہمارے ہاں تو ”بعث بعد الموت“ پہلے ہی کہا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد کھڑا ہوگا۔ یہ لفظ جو ”بعث“ سے ہے، اس کے بارے میں پہلے بھی یہ بات آئی ہے کہ

بعث کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ ”وَهُنَّجِيرِیں جو کسی کے ہاں آزادی کے راستے میں رکاوٹ ہوں، ان کو اٹھالیا جائے تو اسے عربی میں بعث کہتے ہیں۔“ میں نے کہا تھا کہ یہ جو عراق کی بعث پارٹی ہے اس کا نام بعث پارٹی کیوں ہے؟ یہ Freedom Movement کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کہا: **ثُمَّ بَعْشُنْهُمْ (۱۸:۱۲)** پھر نوجوانوں کے راستے میں جو رکاوٹیں حاصل تھیں، وہ اٹھ گئیں۔“ (۱۰۹)

حالانکہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ **أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا آنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَّ أَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا (۱۰)** کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس سیاق میں ان کے فوت ہونے اور ان پر عبادت خانہ بنانے کا بیان ہے۔ (۱۱۱)

اس سب کے باوجود پروپری صاحب نے لفظ الساعۃ کو انقلاب پر فتح کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے مفہوم میں دور کی کوڑی لاتے ہیں:

”ہم نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ لوگ ان کے حال سے مطلع ہو گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے گم گشته لیڈر زندہ ہیں۔ اور خدا نے جو وعدہ کیا تھا پورا ہو چکا، وہ انقلاب جس کے لیے انہوں نے آواز بلند کی تھی، وہ بلاشبہ آچکا۔“ (۱۱۲)

”ان کے گم گشته لیڈر، کا اشارہ تک بھی کسی لفظ میں موجود نہیں مگر پروپری ہیں جو جی میں آتا ہے منہ سے چھکتے چلے جاتے ہیں۔

الرِّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ (۱۱۳) آیت کریمہ، جو خاندانی زندگی (Family Life) سے متعلق ہے، پروپری صاحب کے لیے کافی پریشان کرن رہی، سیاق و سبق کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس آیت میں میاں بیوی کے متعلق بات نہیں ہو رہی، الرجال (عام مردوں اور النساء (عام عورتوں) کے متعلق بات ہو رہی ہے اس لیے یہاں گفتگو یہ ہے کہ معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کے فرائض مفروضہ کیا ہیں؟“ (۱۱۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی، عام مردوں اور عورتوں کے فرائض کے متعلق ہو رہی ہے۔“ (۱۱۵)

اس آیت کریمہ کو عام مردوں اور عورتوں سے متعلق ماننا سیاق آیت کے صریح خلاف ہے۔ آیت زیر بحث میں اور اس لفظ سے پہلے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِيِ الْمُضَاجِعِ (ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو) کے الفاظ تو واضح

طور پر اس آیت کے خاوندو بیوی کے بارے میں ہونے کو بیان کرتے ہیں۔ المضاجع کا لفظ قابل غور ہے۔ پھر آیت کے آخر میں فَإِنْ أَطَعْنَاهُمْ کے الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں میاں بیوی کا بیان ہی ہو رہا ہے کیونکہ عام عورتوں کو عام مردوں کی اطاعت کا حکم قرآن نے نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی قائل ہی ہے۔ اس سب پر مستلزم ہے کہ اس آیت کریمہ کے متصل بعد اللہ تعالیٰ ضمائر کو البر جال اور النساء کی طرف لوٹاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنْ خَفْتُمْ شِقَاقًا بَيْنَهُمَا فَابْعُثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدُهُمَا إِصْلَاحًا
يُوْقَنَ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (١٦)

”اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرادینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔“

یہاں بینہما، اہلہ، اہلہ اور یویدا کے الفاظ واشگاف انداز میں بتا رہے ہیں کہ پچھے بیان خاوند اور بیوی کا ہی ہورہا تھا۔ یہاں پرویز کا سیاق و سباق کو نظر انداز کرنا پوری طرح واضح ہو رہا ہے۔

حق و مسابق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے پروپریٹریشنی بھی لاحق ہوئی نیز اس طرح کچھ الفاظ

قرآنیہ زائد قرار پائے مثلاً الْجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ (۱۱) سے مراد لیتے ہیں:

”معاشرہ میں مردوں کے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ وہ اکتساب رزق کریں کہ اس لیے کہ **بِمَا فَصَلَ اللَّهُ**
بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ (۱۱۸) اس آیت کے بارے میں یہ بھی لکھتے ہیں:

اس لیے مردوں کا کمایا ہوا رزق عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ **بِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ**
 (۳۲:۳) اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما
 پائیں گی۔**(۱۱۹)**

”مردوں کا کمایا ہوا رزق عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے“ اور ”اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی، میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ آیت کے دو مختلف حصوں کا مفہوم پرویز صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس طرح وَ بِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (۱۲۰) کے الفاظ زائد اور فضول قرار پاتے ہیں۔ (العیاذ بالله)

”معاشرے کے عذاب جہنم“ کے بارے میں غلام احمد پروین لکھتے ہیں:

”جب کسی معاشرے کی خرابیاں اس حد تک عام ہو چکی ہوں تو ان کا انفرادی علاج ہوا ہی نہیں کرتا۔ اس کا علاج پورے کے پورے معاشرے کو بدل دینے سے ہو سکتا ہے۔ وہی چیز جسے تبدّل

الْأَرْضُ غَيْرُ الْأَرْضِ وَ السَّمَوَاتُ (۳۸:۱۳) سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس زمین کو بدل دیا جائے۔ اس آسمان کو بدل دیا جائے۔“ (۱۲۱)

قیامت اور روز جزا سے متعلقہ آیات کو سیاق و سبق سے کاٹ کر معاشرے کی کلی تبدیلی پر اس کا انطباق کیا گیا ہے، حالانکہ تبدل الارض سے پہلے یوم کا لفظ موجود ہے جو روز آخرت کے بارے میں ہے۔ پھر زیر بحث اور اس سیاق کی بعد کی آیات دنیا سے متعلق ہو ہی نہیں سکتیں۔ بالخصوص اللہ تعالیٰ کے حضور اٹھ کھڑے ہونے گندھک کے کرتے پہنانے جانا اور منہوں پر آگ کا چھا جانا تبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرُ الْأَرْضِ وَ السَّمَوَاتُ کو دنیا سے متعلق ہونے سے ابا کرتا ہے۔ آیات کا سیاق ملاحظہ کیجیے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرُ الْأَرْضِ وَ السَّمَوَاتُ وَ بَوْزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وَ تَرَى الْمُعْجَرِمِينَ
يَوْمَئِذٍ مُّغَرَّبِينَ فِي الْأَصْفَادِ سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِيرَانٍ وَ تَغْشَى وُجُوهُهُمُ النَّارُ (۱۲۲)

مصوری کے جواز کے لیے منکرین حدیث آیت کریمہ (جو جنوں کے عمل کو ظاہر کرتی ہے) یَعْلَمُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَ تَمَاثِيلَ (۱۲۳) میں آنے والے لفظ تماثیل کو دلیل بناتے ہیں ”نا درہ کار صناعوں“ کے بارے میں غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ وہ ”حضرت سلیمان کی نشانے کے مطابق، ان کے لیے بڑے بڑے محلاں تعمیر کرتے تھے اور ان میں مجسے تراشتنے یا تصاویر بناتے تھے۔ (۱۲۴)

ایک تو پرویز صاحب نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے محارب کا معنی مکمل، لکھا جو کہ غلط ہے، اگر اس کے حروف اصلیہ (Root) ”حرب“ پر بھی غور کر لیا جاتا تو معنی واضح تھا یعنی اس سے مراد قلعے ہیں، اب محارب (قلعوں) کے بعد لفظ تماثیل ظاہر ہے اس سے مراد وہ تصاویر نہیں ہو سکتیں جو محلات میں سجائی جاتی ہیں۔ پھر پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ ”ان میں“ مجسے تراشتنے بھی غلط ہے کیونکہ ”ان میں“ کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں۔ تماثیل کے بعد آنے والے الفاظ و جِفَانٌ كَالْجَوَابِ وَ قُدُورِ رِسْيَتٍ (۱۲۵) (بڑے حضوں کے مانند پیالے اور بھاری بھاری دلکشیں) بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اس سیاق و سبق میں تماثیل سے مراد جنگ سے متعلقہ نقشے ہیں۔ مجسموں اور مورتوں کا کوئی بھی فائدہ جنگ میں نہیں کہ جس کے لیے ”نا درہ کار صناع“ کام پر لگانے پڑیں، ہاں نقشوں کی ضرورت ان مقاصد کے لیے ہوتی ہے، جس کے لیے یہاں تماثیل کا لفظ آیا ہے۔

”جنتی معاشرہ کی عورتوں، فَاصْرَاتُ الْطَّرْفِ (۱۲۶) کے بارے میں پرویز لکھتے ہیں: ”انہی کے متعلق جنتی معاشرہ میں کہا ہے کہ لَمْ يَطْمِثُهُنَّ أَنْسٌ فِلَهُمْ وَلَا جَانٌ (۵۵:۵۶) انہیں ان کے خاوندوں سے پہلے، اپنے اور بے گانوں میں سے کسی نے چھوٹک نہیں ہوگا۔ وہاں ہر نوجوان کو جو کسی جگہ شادی کرنا چاہے گا، دل کا پورا

اطمینان ہو گا کہ اس کی مگنیت کو کسی دوسرے کا ہاتھ تک نہیں لگا۔ کتنا بڑا ہے یہ اطمینان جو کسی شادی کرنے والے پاک باز انسان کو حاصل ہو جائے۔ انہی بیگمات کو قرآن نے عالی مرتبت، بلند پایہ خواتین کہہ کر پکارا ہے۔ سورہ واقعہ میں جو وَفُوشٌ مَرْفُوعَةٌ (۳۲:۵۶) آیا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں۔ قرآن نے بتایا ہے کہ عهد جہالت میں پروش یافہ عورت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑی جذباتی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ مقنائزہ فیہ معاملہ میں اپنے دعویٰ (Case) کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی۔ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (۱۸:۳۳) لیکن قرآنی معاشرہ میں یہی عورت مناسب تعلیم و تربیت سے یکسر نئی مخلوق بن جائے گی۔ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُ أَبْكَارًا (۳۶-۳۵:۵۶) اور نہایت فضیح البیان ہو جائے گی۔ (۱۲۷)

اس عبارت میں انس و جان سے اپنے اور پیگانے، فرش مرفوعۃ سے عالی مرتبت، بلند پایہ خواتین اور ابکار سے نہایت فضیح البیان مراد لینا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں، سیاق و سباق اس مفہوم کی تائید نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ دور از کار لغوی تاویلات بھی اس مفہوم کا ساتھ نہیں دیتیں۔ مگر ”مفتخر قرآن“ نے پھر بھی اپنی بات کو قرآن کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا کہ قرآن نے بتایا ہے کہ عهد جہالت میں پروش یافہ عورت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑی جذباتی ہوتی ہے.....

”عہد جہالت“ کو مطلب برآ ری کے لیے مفہوم میں خود شامل کیا گیا ہے۔

پرویز صاحب سیاق و سباق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنِي يُحِبُّ هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بِلَ لَبِثْ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهُ وَ انْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ أَيَّةً لِلنَّاسِ وَ انْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۲۸)

”تمثیل انداز میں بنی اسرائیل کی غلامی کے سو سالہ دور کو یوں سمجھو کر) ایک شخص کا گزر ایک بستی پر ہوا۔ جس کے مکانات مسماں ہو کر کھنڈر بن چکے تھے۔ اس نے کہا کیا اس قسم کی ویران بستی کو اس کی موت کے بعد پھر سے زندگی مل سکتی ہے؟“ اللہ نے ایک سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور اس کے بعد اسے دوبارہ زندگی عطا کر دی۔ اس سے پوچھا گیا بھلام کتنی مدت اس حالت میں رہے ہو؟ اس نے کہا۔ بس ایک آدھ دن۔ اللہ نے کہا تم سو سال تک اس حالت میں رہے ہو بایں

ہمہ دیکھو۔ تمہارا کھانا اور پانی تک خراب نہیں ہوا۔ اسی طرح تمہارا گدھا بھی ویسے کا ویسا کھڑا ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے اس بات کی نشانی بن جاؤ کہ قوانین خداوندی کی رو سے مردہ اقوام کو بھی زندگی مل سکتی ہے۔ کیا تم جنین کی حالت پر غور نہیں کرتے کہ ہم خون کے لوقھڑے سے کس طرح ہڈیاں ابھارتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت پوست چڑھا کر انہیں ایک جیتا جا گلتا پچھے بنادیتے ہیں۔ جب اس مثال کے ذریعے سے اس پر بات واضح ہو گئی تو اس نے کہا کہ ہاں اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے ہرشے کے پیانے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اس کا پورا پورا کنٹرول ہے موت اور حیات کے فیصلے بھی انہی پیانوں کے مطابق ہوتے ہیں۔“ (۱۲۹)

اس اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

”آپ اقتباس بالا پڑھ کر بتائیے کہ موت و حیات کا وہ کونسا مقررہ پیانہ ہے جس کی رو سے گدھے کاما لک تو سو سال مرا پڑا رہے اور گدھا ویسے کا ویسا کھڑا رہے؟ نیز وہ کونسا مقررہ پیانہ ہے جس کی رو سے کھانا اور پانی ایک سو سال تک کھلے میدان میں پڑا رہنے کے باوجود خراب نہیں ہوتا؟ بات گدھے کی ہو رہی تھی۔ پرویز صاحب نے درمیان میں جنین کا ذکر کر کے پہلے لوقھڑے سے ہڈیوں کا بے محل ذکر شروع کر دیا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنانا شرع کر دیا۔ جس کا آیت کے سیاق و سبق سے چند اس تعلق نہیں۔ سر سید صاحب نے اس واقعہ کو خواب کا واقعہ قرار دیا ہے۔ پرویز صاحب اس واقعہ کو تمثیلی داستان بتا رہے ہیں۔ آنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کہتے وقت سر سید صاحب نے اس سوئے ہوئے آدمی کو جگالیا تھا۔ پرویز صاحب مقرر پیانے اور کنٹرول بتانے لگے ہیں جن کے مطابق ان کا اپنا بیان بھی پورا نہیں اترتا۔“ (۱۳۰)

اگر پرویز آیت کے سیاق و سبق پر غور کرتے تو گدھے کے بارے میں یہ کہتے کہ ”گدھا بھی ویسے کا ویسا کھڑا ہے۔“ بالخصوص جب فَإِنْظُرُ إِلَى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ كہہ کر لَمْ يَتَسَمَّهُ سے کھانے کی حالت بیان کی گئی تو انْظُرُ إِلَى حِمَارِكَ کے بعد انْظُرُ إِلَى الْعِظَامِ كیف نُنِشِرُ هَا ثُمَّ نُكْسُوْهَا لَحْمًا کا بیان بھی جنین کی حالت کا نہیں بلکہ گدھے کی حالت کا ہے۔ جنین کی حالت مراد لینا سیاق و سبق کے صریح خلاف ہے۔

خلاصہ بحث

غلام احمد پرویز نے اپنی کتب میں قرآن مجید سے معنی و مفہوم متعین کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی کلی تعلیم سے مفہوم متعین کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی اس کو قرآن کی مجموعی تعلیم، کبھی کلی اور کبھی

تصریف آیات کا نام دیتے ہیں۔ اور کبھی سیاق و سبق سے معانی کو متعین کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ مگر انہوں نے ان اصول کو اپنے نظریے کے تابع رکھ کر استعمال کیا ہے، اور بہت سے مقامات پر ان قواعد کی مخالفت بھی کی ہے۔ شروع شروع میں غلام احمد پرویز نے جو الفاظ کے معانی بیان کیے تھے بعد میں خود ان کی مخالفت کی جس سے ان کے خارزار تضادات کی وسعت کا اندازہ قارئین بھی کر سکتے ہیں، نیز غلام احمد پرویز نے الفاظ کے وہ معانی اختیار کیے جمہور ائمہ امت کے بیان کردہ معانی کے خلاف ہیں، پرویز کے بیان کردہ بہت سے معانی کی تردید خود قرآن سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اس تحقیق میں واضح کیا گیا ہے۔

حوالہ جات و حوالش

- (۱) ازہر عباس، خواجہ، قرآن فتحی کے قرآنی قوانین، دوست ایسوی ایٹیشن، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ط: ۲۰۰۳ء، ص: ۷
- (۲) پرویز، غلام احمد، تفسیر مطالب الفرقان، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی، گلبرگ لاہور، ط: ۱، ۵۵/۶
- (۳) ال عمران: ۳/۱۷
- (۴) پرویز، غلام احمد، مطالب القرآن فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل)، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور ط: ۲۰۰۲ء، ص: ۳۲۲-۳۲۳
- (۵) الذریت: ۱۷/۱-۱۸
- (۶) المزمل: ۳/۲
- (۷) المزمل: ۳/۲
- (۸) المزمل: ۳/۲۰
- (۹) الاسراء: ۱۷/۱
- (۱۰) الفرقان: ۲۵/۲۲
- (۱۱) یوسف: ۱۲/۲۹
- (۱۲) ال عمران: ۳/۱۳۵

- (١٣) الزمر: ٥٣/٣٩
- (١٤) الاحزاب: ١٧/٣٣، الصاف: ٢١/١٢
- (١٥) المؤمن: ٣/٣٠
- (١٦) نوح: ١٠/١٧
- (١٧) المؤمن: ٤٠/٣٠
- (١٨) التوبية: ٨٠/٩
- (١٩) المؤمن: ٧/٣٠
- (٢٠) المؤمن: ٣/٣٠
- (٢١) فاطر: ٣٠/٣٥
- (٢٢) يونس: ١٠/١٠
- (٢٣) ابرهيم: ٣١/١٣
- (٢٤) الشعراة: ٨٢/٢٢
- (٢٥) البقرة: ٢٨٦/٢
- (٢٦) الراغب الاصفهانی، الحسین بن محمد، مفردات القرآن، محمدعبدہ الفلاح (مترجم)، المکتبۃ القاسمیۃ، چک والگرال لاہور، ص: ٢٨٩، ٢٧٠، ٢٧٠، ٢٨٩
- (٢٧) التوبية: ٩/١٤
- (٢٨) اللہ! اسے قیامت کے دن بخش دینا جہنم میں نہ بھیجن۔
- (٢٩) پرویز، غلام احمد، مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورة الکھف و مریم)، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور، ط: ۱۴۰۳ء، ص: ۳۳۹
- (٣٠) مریم: ١٩/٣٧
- (٣١) الشعراة: ٨٢/٢٦
- (٣٢) ابرهيم: ٣١/١٣
- (٣٣) الممتحنة: ٢٠/٢
- (٣٤) التوبية: ٩/١٢
- (٣٥) التوبية: ٩/١٣
- (٣٦) التوبية: ٩/٢

- (۳۷) میریم: ۱۹/۲۷ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۲۳۹
- (۳۸) مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۳۲۸
- (۳۹) ایضاً، ص: ۳۲۸ القمر: ۵۳/۳۲
- (۴۰) ایضاً/۳۸ الحجر: ۱۵/۲۵
- (۴۱) ایضاً/۲۶ ایضاً/۲۷ هود: ۱۱/۸۱
- (۴۲) پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور، ط: ۱، ۳/۳۳۶
- (۴۳) میریم: ۱۹/۲۷-۲۸ مطالب القرآن فی دروس الفرقان: (سورۃ الکھف و سورۃ مریم) ص: ۲۸۳
- (۴۴) تفسیر مطالب الفرقان ۹۹/۲ مطالب الفرقان فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۲۰/۱۹
- (۴۵) لغات القرآن ۳/۳۳۵ تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجرمانہ پیدائش کو تسلیم نہ کرنا پڑے اور یوسف نجار کو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کیا جاسکے۔
- (۴۶) تفسیر مطالب الفرقان ۷۵/۲۵ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۳۲۰
- (۴۷) الکھف: ۱۸/۵۰ الحجر: ۱۵/۲۷، نیز دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَخَلَقَ الْجَاهَنَّ مِنْ مَآرِجِ مِنْ نَارٍ﴾ (الرُّحْمَن: ۱۵/۵۵)
- (۴۸) ص: ۳۸/۷۶ الجن: ۲/۱۱ ایضاً/۱۲
- (۴۹) طلوع اسلام، ص: ۷، جولائی ۱۹۷۳ء، طلوع اسلام ٹرست، ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور
- (۵۰) مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل)، ص: ۶

- (۶۵) بخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، صحيح بخاری، کتاب التفسیر ۲۵، سورۃ البقرۃ: ۲، باب ا، ح: ۲۲۷۶، مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، رود بازار، لاہور
- (۶۶) ایضاً کتاب التوہید والرد علی الجهمیہ وغیرہم ۹۸، باب ۱۹، ح: ۲۱۰، نیز دیکھیے منداحمد ۳/۱۱۲، ۲۲۳، ۲۲۴
- (۶۷) احمد، بن حنبل، الامام، المسند، دار الفکر، بیروت، ۲/۲۲۸، نیز دیکھیے وائز علیک التورۃ ۲/۳۹۲، ۳۹۸
- (۶۸) میریم: ۱۹/۸ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم)، ص: ۲۲۷
- (۶۹) میریم: ۱۹/۲
- (۷۰) میریم: ۱۹/۸
- (۷۱) ایضاً/۱۰ طاہرہ کے نام خطوط، ص: ۶۷
- (۷۲) النساء: ۲/۶ "اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کا ج میں مصروف رکھو پھر (بلوغ پر) اگر عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔"
- (۷۳) الانعام: ۶/۱۵۲، الاسراء: ۱/۳۳ "اور یتیم کے مال کے قریب تک نہ جاؤ بجز احسن طریقہ کے تا آنکہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے۔"
- (۷۴) الطلاق: ۲/۶۵
- (۷۵) البقرۃ: ۲/۲۱۹
- (۷۶) صلاح الدین یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ، ص: ۸۹
- (۷۷) مہنامہ طلوع اسلام ص: ۱۲، مارچ ۱۹۵۰ء
- (۷۸) ایضاً ص: ۳۲، نومبر ۱۹۶۹ء
- (۷۹) ایضاً ص: ۳۸، مارچ ۱۹۷۶ء
- (۸۰) ایضاً ص: ۵۱، مئی ۱۹۷۸ء
- (۸۱) مہنامہ طلوع اسلام، ص: ۳۶، مارچ ۱۹۷۹ء
- (۸۲) البقرۃ: ۲/۲۵۲
- (۸۳) البقرۃ: ۲/۲۶۷

- (۸۶) یس: ۳۶/۲۷
- (۸۷) الحید: ۵۷/۷
- (۸۸) المنافقون: ۶۳/۱۰
- (۸۹) ابرہیم: ۱۴/۳۱
- (۹۰) دیکھیے الانفال: ۸/۲، الحج: ۲۲/۳۵، القصص: ۲۸/۵۲، السجدة: ۳۲/۱۶، الشوری: ۳۲/۳۸
- (۹۱) التوبۃ: ۹/۹۲
- (۹۲) جیسا کہ ﴿كَلَّفْتُمُ النِّسَاءَ﴾ (البقرة: ۲/۲۳۱-۲۳۲، ۲۳۲، ۲۳۳)، الطلاق: ۲۵/۱)، ﴿كَلَّقْنَمُوهُنَّ﴾ (الطلاق: ۱/۲۵)، الاحزاب: ۳۳/۲۹)، ﴿كَلَّقْنَكُنَّ﴾ (التحریم: ۵/۲۲) ﴿كَلَّقَهَا﴾ (البقرة: ۲/۲۳۰)، ﴿فَكَلِّقُوهُنَّ﴾ (الطلاق: ۱/۲۵) اور ﴿إِنْ عَزَّمُوا الْطَّلاقَ﴾ (البقرة: ۲/۲۲۷) وغیرہ آیات میں ذکر کے صینے استعمال کیے گئے ہیں، اسی مفہوم کی اور بھی آیات ہیں مثلاً ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّ حُوْنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (ایضاً/۲۳۱)
- (۹۳) النساء: ۳۲/۳۵
- (۹۴) پرویز، غلام احمد: طاہرہ کے نام خطوط کا مجموعہ، طلوع اسلام ٹرست ۲۵۔ بی، گلبرگ نمبر ۲، لاہور، ط: ۱۹۸۹، ص: ۱۸۳-۱۸۲
- (۹۵) البقرة: ۲/۲۳۰
- (۹۶) دیکھیے قرآن فہمی کے قرآنی قوانین، ص: ۲۲۳-۲۵
- (۹۷) ایضاً، ص: ۲۷
- (۹۸) مریم: ۱۹/۱۹
- (۹۹) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۲۶۲
- (۱۰۰) مریم: ۱۹/۱۷
- (۱۰۱) مریم: ۱۹/۱۹
- (۱۰۲) مریم: ۱۹/۲۱
- (۱۰۳) الشوری: ۳۲/۳۹-۵۰
- (۱۰۴) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۳۰۱
- (۱۰۵) الانفال: ۸/۱۷
- (۱۰۶) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص: ۳۰۱

- (١٠٧) ﴿ص: ۲۰۲﴾ ایضاً

(١٠٨) ﴿الکھف: ۱۸/۱۲﴾ الکھف:

(١٠٩) ﴿مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورة الکھف و مریم) ص: ۷۵-۷۶﴾ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورة الکھف و مریم) ص: ۷۵-۷۶

(١١٠) ﴿الکھف: ۱۸/۲۱﴾ الکھف:

(١١١) ﴿مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورة الکھف و مریم) ص: ۷۵-۷۶﴾ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورة الکھف و مریم) ص: ۷۵-۷۶

(١١٢) ﴿ص: ۵۲﴾ ایضاً، ص:

(١١٣) ﴿النساء: ۳/۳۲﴾ النساء: ۳/۳۲

(١١٤) ﴿طاهرہ کے نام خطوط ص: ۳۲﴾ طاهرہ کے نام خطوط ص: ۳۲

(١١٥) ﴿ص: ۳۲﴾ ایضاً، ص:

(١١٦) ﴿النساء: ۳/۳۵﴾ النساء: ۳/۳۵

(١١٧) ﴿النساء: ۳/۳۲﴾ النساء: ۳/۳۲

(١١٨) ﴿الضًا﴾ ایضاً

(١١٩) ﴿طاهرہ کے نام خطوط، ص: ۳۲﴾ طاهرہ کے نام خطوط، ص: ۳۲

(١٢٠) ﴿النساء: ۳/۳۲﴾ النساء: ۳/۳۲

(١٢١) ﴿طاهرہ کے نام خطوط، ص: ۲۱﴾ طاهرہ کے نام خطوط، ص: ۲۱

(١٢٢) ﴿ابراهیم: ۳۸/۵۰﴾ ابراهیم: ۳۸/۵۰

(١٢٣) ﴿سبا: ۳۲/۱۳﴾ سبا: ۳۲/۱۳

(١٢٤) ﴿پرویز، غلام احمد: آرٹ اور اسلام، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ نمبر ۲، لارڈ گنگ نمبر ۲، لاہور، ص: ۱۹﴾ پرویز، غلام احمد: آرٹ اور اسلام، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ نمبر ۲، لارڈ گنگ نمبر ۲، لاہور، ص: ۱۹

(١٢٥) ﴿سبا: ۳۷/۱۳﴾ سبا: ۳۷/۱۳

(١٢٦) ﴿الرحمن: ۵۵/۵۶﴾ الرحمن: ۵۵/۵۶

(١٢٧) ﴿طاهرہ کے نام خطوط کا مجموعہ، ص: ۲۳﴾ طاهرہ کے نام خطوط کا مجموعہ، ص: ۲۳

(١٢٨) ﴿البقرة: ۲/۲۵۹﴾ البقرة: ۲/۲۵۹

(١٢٩) ﴿مفہوم القرآن، ص: ۱۰۲﴾ مفہوم القرآن، ص: ۱۰۲

(١٣٠) ﴿کیلانی، عبدالرحمن، مولانا: آئینہ یروزیت، مکتبۃ الاسلام، وسن پورہ، لاہور، ص: ۸۳۳، ۸۲۵﴾ کیلانی، عبدالرحمن، مولانا: آئینہ یروزیت، مکتبۃ الاسلام، وسن پورہ، لاہور، ص: ۸۳۳، ۸۲۵

